تحریکِ پاکستان سے قیامِ پاکستان تک کا سفر

آزادیٔ وطن کا ہر کردار، ہمارے لئے قابلِ فخر

(مصنف انقلاب میڈیا میں لکھتے ہیں اور پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہیں) محمد زکریا

نظریہ پاکستان خالصتاً نظریہ اسلام سے ماخذ کیا گیا ہے، ہر مسلمان پاکستان کے اسی خالص اسلامی نظریہ سے متاثر ہوا۔اسی نظریہ نے مسلمانان برصغیر کو ایک الگ تشخص دیا۔مسلمانوں کے بنیادی عقائد اور سوچ برصغیر کی دوسری اقوام سے جداگانہ تھی اور یہی سوچ بعدازاں دوقومی نظریہ بھی کہلائی۔ ہندو مذہب میں طرز حیات، رسوم ورواج، موت اور بعداز موت کے خیالات اسلامی عقائد سے بالکل متضاد ہیں۔مزید یہ کہ برصغیر پاک وہند کے مسلمان ایک نئی قوم کے طور پر اسی لئے ابھر کر سامنے آئے کہ وہ اس جداگانہ نظریہ پر اعتقاد رکھتے تھے۔وہ ایک نئی ریاست کے اس لیے بھی متمنی تھے جہاں وہ اسلام کے بتائے ہوئے راستوں پر آزادانہ طور پر عمل پیرا ہوسکیں۔مسلمانوں نے اپنے دورحکومت میں کبھی اپنے الگ تشخص و پہچان پر اتنی توجہ مرکوز نہیں کی تھی جتنی ۱۸۵۷ کے بعد سے اسلامی رہن سہن اور دیگر طرز حیات کو اپنایا گیا۔اس کی خاص وجہ ہندوؤں کی انتہاء پسندانہ سوچ تھی جو برصغیر سے مسلمانوں اور مسلم تشخص کا خاتمہ یقینی بنانے کیلئے مخفی وظاہری طور پر ہر میدان میں مصروف عمل تھے۔

اگر نظریہ پاکستان کا عمیق جائزہ لیا جائے تو پاکستان اُسی دن وجود میں آ گیا تھا جب پہلے مقامی شخص نے کلمہ حق پڑھا تھا۔عرب تاجروں، صوفیائے کرام اور مسلمان فاتحین کا رویہ مقامی آبادی سے اتنا متاثر کن تھا کہ لوگوں نے اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کو ترک کر کے اسلامی تہذیب اپنانے اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے فخر محسوس کیا۔برصغیر ہند مختلف مسلمان حکمران خاندانوں کی سلطنت کا حصہ رہا ہے اور مغل دور میں بھی ہندو رعایا کیساتھ منصفانہ سلوک اپنایا گیا، حتیٰ کہ شہنشاہ اکبر کے دور میں ہندوؤں کی فلاح و بہبود کو ترجیحی پالیسی کے طور پر اپنایا گیا۔۱۸۵۷ میں مغل سلطنت زوال پزیر ہوئی تو انگریز حکمرانوں اور ہندوؤں کے مسلم مخالف گٹھ جوڑ نے مسلمانوں کو غلامی کے اندھیرے غار میں دھکیلنے کی مذموم کوششیں شروع کر دیں۔انگریز سامراج کو سب سے زیادہ خطرہ مسلمانوں سے تھا کیونکہ یہ حاکم قوم تھی۔انگریز خائف تھے کہ مسلمان کسی وقت بھی سر اٹھا کر عظمت رفتہ بحال کرنے کی کوشش کر سکتے تھے اور ہندو جو طویل عرصہ سے رعایا بن کر رہ رہے تھے' اسی حال میں مطمئن اور خوش تھے بلکہ اب انہیں انگریزوں سے مل کر مسلمانوں کو دبانے کا موقع بھی ہاتھ آ گیا تھا۔انگریز حکومت نے یہ حکمت عملی اپنائی کہ ہندوؤں کی سرپرستی کریں اور مسلمانوں کی کمر توڑ دیں تاکہ یہ خطرہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا جائے۔ سارے برطانوی ہندوستان میں ہندوؤں کو سرکاری ملازمتوں اور دیگر ہر قسم کی مراعات سے نوازا جانے لگا۔شاطر ہندوؤں نے موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور مسلم دشمنی، دونوں فریقوں کی مشترکہ حکمت عملی بن گئی۔

> اگر نظریہ پاکستان کا عمیق جائزہ لیا جائے تو پاکستان اُسی دن وجود میں آ گیا تھا جب پہلے مقامی شخص نے کلمہ حق پڑھا تھا۔

۱۸۵۷ کے بعد مسلمانوں پر گویا ظلم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں، انہیں نفسیاتی، سماجی ومعاشی اور سیاسی طور پر کئی چیلنجز کا سامنا تھا، وہ جو کل تک برصغیر کی تقدیر کے فیصلے لکھ رہے تھے وہ محکومی کے انمٹ نقوش سے خوفزدہ تھے، ایک ہزار سالہ مسلم تاریخ میں پہلی بار مسلمان محکومی کا

طوق پہن رہے تھے۔ برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے احیائی تحریکوں کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ ہندوؤں نے مسلم دور سے قبل اپنے کلاسیکی دور اور اس عہد کی ، ثقافت اور اُمنگوں کے پرچار کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل کیا۔ مسلمانوں کو حملہ آور اور لوٹ مار کرنیوالوں سے تشبیہ دی جانے لگی اور وہی عظمت رفتہ حاصل کرنے کیلئے ہندو سماج، ہندو ذہنیت کی طرح مسلمانوں کیلئے تنگ تر ہوتا چلا گیا۔ ہندو مسلم اختلافات کو سوچی سمجھی سازش کے تحت منظّم انداز میں ہوا دی جانے لگی، ہندوؤں کی جانب سے مسلم تشخص مٹانے کیلئے پہلا حملہ اُردو زبان پر کیا گیا۔ ۱۸۶۷ میں بنارس کی عدالتوں میں اُردو کی جگہ ہندی رائج کرنے کیلئے بھانت بھانت کی بولیاں بولی جانے لگیں۔ بلا شبہ اُردو، عربی، فارسی اور پراکرت کے حسین امتزاج کی حامل ہے اور قابل فخر بات یہ ہے کہ اسکی ترقی واحیاء میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے کمال محنت تھی، اس میں بہرحال اسلامی ثقافت اور رنگ کی عکاسی بدرجہ اتم موجود تھی، یہی بات ہندو پنڈتوں کیلئے ناقابل برداشت بن گئی، نفرت کی آگ کو بڑھاوا دینے کیلئے سنسکرتی پس منظر، روحانی تصورات اور اسالیب اظہار کیلئے ہندی زبان کو بڑھا چڑھا کر پیش کیے جانے لگا۔

> بلاشبہ اُردو، عربی، فارسی اور پراکرت کے حسین امتزاج کی حامل ہے

سر سید احمد خانؒ ہندوؤں کے ارادوں کو اچھی طرح بھانپ چکے تھے اور اُردو ہندی تنازع میں ہندوؤں کی جانب سے مسلم تشخص کیخلاف عملی اقدام ان کیلئے انتہائی مایوس کن تھے۔ انہیں اب مسلمانوں کیلئے راہِ نجات تلاش کرنی تھی۔ سر سید احمد خانؒ وہ شخصیت ہیں، جنھوں نے دوقومی نظریے کے ذریعے دنیا بھر کو آشکار کروایا کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں۔ یہی وہ نظریہ تھا جو بعد میں نظریہ پاکستان اور قیام پاکستان کا سب سے

بڑا سبب بنا۔ سر سید احمد خانؒ برصغیر میں مسلم نشاۃ ثانیہ کے بہت بڑے علمبردار بھی تھے۔ وہ یہ محسوس کر چکے تھے کہ انگریزوں کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کی زبوں حالی سے نجات کا واحد راستہ انگریزی زبان اور جدید تعلیم کا حصول ہے۔ انھوں نے مسلمانوں میں بیداری علم کے لیے علی گڑھ تحریک کا آغاز کیا۔ اس تحریک کی ابتدا ۱۸۵۹ء میں مراد آباد کے مقام پر ایک مدرسہ کے قیام سے کی گئی۔ یہ مدرسہ ۱۸۷۵ء میں ایم اے او اسکول اور پھر ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ کالج کے قیام کا باعث بنا۔ سر سید کی علمی تحریک کے نتیجے میں تحریکِ پاکستان کے لیے کارکنوں کی تعلیم یافتہ کھیپ تیار ہوئی، جنھوں نے اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی کامیابی کی پہلی سیڑھی یہ اسکول ہوگا۔ سر سید احمد خانؒ نے مسلم قوم کی تقدیر بدلنے اور دیگر اقوام سے علمی سطح پر مقابلہ کرنے کیلئے نوجوانوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے کی کامیاب کوشش کی اور ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

جنوری ۱۸۸۳ء میں سر سید احمد خانؒ نے وائسرائے کے کونسل اجلاس میں خطاب کے ساتھ ہی عملی طور پر تحریک پاکستان کا آغاز کر دیا تھا۔ اس علمی سفر میں نوجوان طالب علم اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد ایک نئے جذبے اور احساس کے ساتھ یکجا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ہندو لیڈروں نے مسلمانوں کی بحالی عظمت اور بدلتے حالات دیکھ کر فکری فقدان پیدا کرنے کیلئے ہندو مسلم اتحاد کا ڈھونگ رچایا کہ انگریز کے جبر کے سامنے ہندو مسلمان مل کر ہی اپنے حقوق کا دفاع کر سکتے ہیں۔ دوسری جانب ہندوؤں کی جانب سے ہر شعبہ حیات میں انگریز کی تابعداری اور بھرپور تعاون کی حکومت کو یقین دہانی کروادی گئی۔ ۱۸۸۵ء میں ایک انگریز ہی نے کانگریس پارٹی کی بنیاد رکھی تو ہندو سیاستدانوں نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کیلئے اس میں جوق در جوق شمولیت اختیار کی۔ مسلمان جو غدار حاکموں اور بہادر شاہ ظفر کی شکست کے بعد دل

> جنوری ۱۸۸۳ء میں سر سید احمد خانؒ نے وائسرائے کے کونسل اجلاس میں خطاب کے ساتھ ہی عملی طور پر تحریک پاکستان کا آغاز کر دیا تھا۔

شکستہ، پریشان حال تھے۔ انہیں کانگریس میں شمولت ہی میں اس زبوں حالی سے نکلنے کی امید نظر آئی۔ انہیں ہندوؤں کے خبثِ باطن کا اتنا ادراک نہ تھا کہ وہ کس حد تک فریب دہی اور دھوکہ بازی کر سکتے ہیں، حالانکہ سر سیدؒ نے مسلمانوں کو بہت پہلے ہی گانگرسی دھوکے سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ ہندوؤں کی اس عیاری سے نبرد آزما ہونے کیلئے ۱۹۰۱ء میں لکھنو میں نواب وقار الملک نے پہلی سیاسی انجمن کی بنیاد رکھی، جس کا اہم مقصد مسلمانوں کے تشخص کی حفاظت تھا، اس انجمن میں مسلم نوجوان انتہائی جوش و جنون سے شرکت کر رہے تھے۔

۱۹۰۵ء میں تقسیمِ بنگال کے نتیجے میں مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو اپنی عددی اکثریت کے باعث ہندو بالادستی سے نکلنے کا موقع ملا تو ہندوؤں کیلئے یہ عمل ناقابل برداشت بن گیا، اُنہوں نے انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ مل کر تقسیم کو تنسیخ میں بدلنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ ہندو ذہنیت مسلمان دشمنی میں بغل میں چھری اور منہ میں رام رام کے مصداق ٹھہرے۔ آہستہ آہستہ یکے بعد

دیگرے ہندو ذہنیت کی دوغلی سیاست کے خاردار گوشے نمایاں ہونے لگے۔ پے درپے مسلم مفادات پر فریب' دھوکہ دہی' وعدہ خلافی اور بداعتمادی کے متعدد واقعات نے مسلمان رہنماؤں کو حالات کا ازسرنو جائزہ لینے پر مجبور کیا۔ اوراسی انتقامی سوچ سے آزادی کیلئے باقاعدہ ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی، جس کا پہلا اجلاس ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو سلیم اللہ ہال میں ہوا، جس میں اس وقت کے نامور اور مقتدر مسلمان رہنماؤں نے شرکت کی، جن میں نواب سر سلیم اللہ، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، سر آغا خان، راجہ صاحب محمود آباد، نواب اسحاق خان، سر علی امام، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی جوہر، سر علی محمد خان، حکیم اجمل خان، مولانا ظفر علی خان، حسین شہید سہروردی، مولانا حسرت موہانی، عزیز مرزا، بیگم شاہنواز (جہاں آراء)، صاحبزادہ آفتاب احمد خان اور محمد شفیع جیسے نام سرفہرست ہیں۔ یہ سب تعلیم کی دولت سے مالا مال، علم شناس اور علم دوست تھے۔ ان میں اہم نام محمد علی جوہر کا ہے جنہیں رئیس الاحرار کا خطاب بھی ملا۔ اس پس منظر میں مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری کیلئے باقاعدہ سیاسی جدوجہد کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں کی ہمت، شجاعت اور حوصلے کو دیکھتے ہوئے ایک نوجوان طالب علم علامہ اقبالؒ نے ۱۸۹۲ء میں فلسفے میں ایم۔ اے کیا۔ ۱۹۰۷ء میں جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۰۸ء میں انگلستان سے تعلیم مکمل کر کے واپس وطن آکر اپنی شعلہ فشاں شاعری اور اپنی خطابت سے مسلمانوں کی زندگی میں نئی جینے کی امنگ کو بیدار کیں۔ محمد علیؒ جناح ابتدائی دور میں کانگریس کو تمام ہندوستانیوں کی اجتماعی جماعت سمجھتے تھے اور متحدہ ہندوستان کے نظریہ کے زبردست وکیل تھے لیکن وقت اور حالات کا بغور جائزہ لیا، ہندوؤں اور کانگریس کی تعصّبانہ سوچ اور منفی جذبوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اُمت مسلمہ کی زبوں حالی نے ان کو جھنجھوڑ ڈالا، چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کیلئے ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ میں باقاعدہ شمولیت اختیار کرلی۔ قائداعظم کے قریبی ساتھی لیاقت علی خانؒ نے ۱۹۲۳ء

میں باقاعدہ طور پر آل انڈیا مسلم لیگ میں شرکت کی۔ لیاقت علی خان کا شمار ان رہنماؤں میں ہوتا ہے جو ایک جوش اور جذبے سے سرشار ہو کر والہانہ انداز میں خطابت کرتے تھے اور ہر کسی کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ ان تمام رہنماؤں کو اپنی تعلیمی صلاحیتوں پر مکمل عبور حاصل تھا، جس کی وجہ سے تحریک آزادی میں تیزی کے ساتھ دیگر قابل شخصیات بھی شامل ہوتی گئیں اور آزادی کیلئے اپنی خدمات انجام دیں۔ اس سفر میں چوہدری خلیق الزماں، بہادر یار جنگ جیسی اہم شخصیات نے بھی نمایاں کام سرانجام دیئے۔

مسلم لیگ کے پلیٹ فارم اور قائداعظم کی رہنمائی میں دوقومی نظریہ پروان چڑھا۔ خوداعتمادی اور ملی یکجہتی نے قوم میں ایک نئی روح پھونک دی۔ قوم میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کیا۔ اس وقت مسلم لیگ کا نصب العین برطانوی ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ تھا جسے کانگریس مسلسل نظرانداز کرتی آرہی تھی۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے تشخص کی الگ حیثیت منوانے کے لئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ پیش کردیا تو پنڈت جواہر لعل نہرو کی سرکردگی میں حکومت نے جائزہ کمیٹی قائم کردی۔ انہی دنوں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی جوہر کی قیادت میں تحریک خلافت زوروں پر تھی۔ مسلمان اس میں جوق درجوق شامل ہو کر انگریزوں کے خلاف اور ترکی کی حمایت میں پرزور مظاہرے کررہے تھے۔ مہاتما گاندھی نے کمال منافقت سے کام لیتے ہوئے تحریک خلافت میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کا ڈھونگ رچایا۔ یہ دوقومی نظریہ کے خلاف ایک شاطرانہ چال تھی جو کامیاب نہ ہوئی۔ تحریک خلافت ماند پڑی تو نہرو رپورٹ سامنے آگئی جس میں جداگانہ انتخاب کے مسلم لیگ کے مطالبہ کو مسترد کردیا گیا تھا۔ قائداعظم نے ۱۹۲۹ء میں مطالبات کے 14 نکات پیش کئے۔ کانگریس نے انہیں تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

اس صورت حال کے پیش نظر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس الہ آباد میں منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے کی۔ اس کانفرنس کا پس منظر بنگال، بہار، اڑیسہ، بنارس، آگرہ، بمبئی اور ہندوستان کے اکثر دوسرے علاقوں میں بڑے پیمانے پر مسلم کش فسادات میں ہندو بلوائیوں کے ہاتھوں بے گناہ مسلمانوں کے خون کی ہولی، ہزاروں مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتل، مسلمانوں کے محلے اور مکانات جلا کر لوگوں کو بے گھر کردیا گیا تھا۔ اب ہندو مسلم تضادات اور دشمنی کھل کر سامنے آگئی تھی۔ کانگریس کی ہٹ دھرمی بھی مسلسل جاری تھی۔ الہ آباد کے مسلم لیگ کے اس عظیم الشان تاریخی اجلاس میں علامہ اقبالؒ نے اپنے صدارتی خطبہ میں اعلان کیا کہ اب تک ہم نے ہندوؤں سے باہمی اشتراک اور تعاون کی مقدور بھر جتنی کوششیں کی ہیں وہ بے سود ثابت ہوئی ہیں۔ فریق ثانی کے ہاں رواداری، انصاف اور اعتماد کا فقدان ہے۔ مسلم تمدن اور ہندو کلچر دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں۔ ان دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں جو انہیں ایک قوم کا درجہ دے سکے۔ واضح طور پر ہندوستان میں دو بڑی قومیں آباد ہیں ہندو اور مسلمان۔ ہندو اکثریت ہمیشہ مسلم اقلیت کے حقوق غصب کرنے میں ملوث رہتی ہے۔ ہندوستان کے طول وعرض میں حالیہ فسادات کا طوفان اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہندوؤں نے بے گناہ مسلمانوں پر ظلم واستبداد کے پہاڑ توڑ دیئے ہیں۔ میری نظر میں مسئلے کا مستقل حل سرحد، پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے علاقوں پر مشتمل برطانوی عملداری میں ایک خودمختار حکومت کا

قیام ہے۔جنہیں مکمل آزادی ملنے پر ایک اسلامی فلاحی ریاست میں بدل دیا جائے، جہاں جمہوری حکومت قائم ہو۔علامہ اقبالؒ کے خطبہ الہ آباد نے برطانیہ اور کانگریس کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دیا۔ ہندو پریس نے علامہ اقبال پر فرقہ واریت اور رجعت پسندی کا الزام لگایا اور تجویز کو ناقابل عمل قرار دیا۔ برطانوی پریس کے اداریئے بھی ہندو پریس کی مخالفانہ رپورٹنگ پر بازی لے گئے اور تجویز کو مجذوب کی بڑ قرار دیا۔

۱۹۳۷ء کے الیکشن کے نتیجہ میں صوبائی حکومتیں قائم ہوئیں تو کانگریس حکومتوں کے صوبوں میں مسلمانوں کے حقوق کو بری طرح پامال کیا گیا۔ ہندی بطور سرکاری زبان رائج کر دی گئی، کمال منافقت اپناتے ہوئے اُردو کو اپنے ہی گھر سے دیس نکالا مل گیا۔مسلمانوں کی جائیدادوں پر غاصبانہ قبضے کر لئے گئے۔انہیں درجہ دوم کا شہری بنا کر ان کے ملی وجود کو ختم کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔صنعت تجارت اور سرکاری ملازمتوں کے دروازے مسلمانوں پر بند کر دیئے گئے۔ یہ تھا ان دگرگوں حالات کا سلسلہ جس کی وجہ سے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قائداعظم کی صدارت میں مسلم لیگ کا تاریخ ساز جلسہ لاہور کے منٹو پارک میں منعقد ہوا۔اس جلسہ میں ہندوستان کے طول وعرض سے مسلم قائدین نے شرکت کی۔جلسہ کے آخری سیشن میں تاریخی قرارداد پاکستان پاس کی گئی۔جلسہ گاہ کے سٹیج کا یہ وہی مقام ہے جہاں مینار پاکستان پوری شان سے ایستادہ ہے۔قراردادِ پاکستان مولوی ابوالقاسم فضل الحق نے پیش کر کے پاکستان کے قیام کی پہلی منزل کو طے کیا، جسے تمام مسلمانوں کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء کے درمیان قائداعظم محمد علیؒ جناح اور ان کے رفقائے کار نے منزل کی تلاش کیلئے شب وروز انتھک محنت، جدوجہد اور کاوشوں کے سفر کو جاری رکھا، جس میں نوجوانوں کا کردار بہت اہم رہا۔قراردادِ لاہور'' کی منظوری کے بعد مسلم رہنماؤں نے بالعموم

اور محمد علیؒ جناح نے بالخصوص پاکستان کو اپنی منزل قرار دے دیا تھا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ چاہے ہندوستان کی جغرافیائی وحدت میں رہتے ہوئے یا مسلمانوں کے لیے ایک الگ مملکت کے طور پر ''پاکستان'' ایک ایسے خطّے کا نام ہوگا، جہاں مسلمان، ہندوؤں سے الگ رہ کر اپنے معمولاتِ زندگی انجام دے سکیں گے۔

پاکستان کیلئے قائداعظمؒ کی خدمات کو مختصراً بیان کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ قدرت جب کسی قوم پر مہربان ہوتی ہے یا اسے کسی قوم کی تقدیر سنوارنا مقصود ہوتا ہے تو وہ اس میں ایسے بے لوث قائد پیدا کر دیتی ہے، جو اس قوم کی ڈولتی کشتی کو اپنے حسنِ تدبر سے ساحل تک لے جاتے ہیں۔ قائداعظم برصغیر کے مسلمانوں کیلئے ایک ایسے ہی قائد بن کر اُبھرے۔ وہ ایک ایسی شخصیت تھے، جن کی عظمت اور بلندی کردار کے مخالفین بھی معترف تھے۔ بھارت کے پہلے وزیراعظم جواہر لعل نہرو کی ہمشیرہ وجے لکشمی پنڈت نے کہا تھا، ''اگر سو گاندھی، سو نہرو اور سو پٹیل مسلم لیگ کے پاس ہوتے اور کانگریس کے پاس صرف اور صرف محمد علی جناح ہوتا، تو پاکستان کبھی نہ بنتا''۔ مسلمانوں کی جانب سے غیر متزلزل اعتماد کی وجہ سے قائداعظم کو منزل قریب دکھائی دینے لگی تھی، اسی لئے تو انہوں نے فرمایا تھا کہ۔ ''دنیا کی کوئی طاقت اب پاکستان کو وجود میں آنے سے نہیں روک سکتی۔''

جنگ عظیم دوم کے خاتمے اور شملہ کانفرس کی ناکامی کے بعد یہ اندازہ لگانا لازم ہو گیا تھا کہ مختلف سیاسی جماعتوں کی عوام میں کیا حیثیت ہے اور وہ برصغیر کے مستقبل کے بارے میں کس جماعت کے مؤقف سے ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ یہ جاننے کیلئے کہ قائداعظم کا مؤقف درست تھا یا غلط، واحد طریقہ تھا کہ عوام سے رجوع کیا جائے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ دنیا کی نئی سپر پاور بن گیا۔ اس طرح حکومت برطانیہ پر بھی امریکہ کا دباؤ بڑھ گیا تھا کہ برصغیر کیلئے سیاسی حل تلاش کیا جائے۔ اس صورتحال میں برطانوی حکومت نے عوامی رجحانات کا پتہ چلانے کیلئے عام انتخابات کا اعلان کیا۔ دسمبر ۱۹۴۵ء میں مرکزی اور جنوری ۱۹۴۶ میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کروانے کا فیصلہ ہوا۔ انڈین نیشنل کانگریس کا یہ منشور تھا کہ جنوبی ایشیا کو ایک وحدت کی صورت میں آزاد کروایا جائے گا۔ تقسیم کی کوئی بھی سکیم قابل قبول نہ ہوگی۔ کانگریس نے انتخابات میں اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگایا۔ کانگریس کا دعویٰ تھا کہ وہ برصغیر میں رہنے والے تمام گروہوں اور فرقوں کی نمائندہ جماعت ہے اور مسلمان بھی کانگریس کے نقطۂ نظر سے ہم آہنگ ہیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے انتخابی اکھاڑے میں قدم اس دعوے کیساتھ رکھا کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ مسلمان مسلم لیگ کے علاوہ کسی اور جماعت سے تعلق نہیں رکھتے۔ مسلم لیگ چاہتی ہے کہ قرارداد پاکستان کے مطابق جنوبی ایشیا کو تقسیم کر دیا جائے اور مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کو مکمل اقتدار اعلیٰ حاصل ہو جائے۔ قائداعظمؒ کا دعویٰ تھا کہ عام انتخابات پاکستان کے بارے استصواب رائے ہوں گے۔ اگر مسلمان پاکستان کے حق میں ہیں تو وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں ورنہ اس مطالبہ کو از خود مسترد سمجھا جائے۔ مسلم لیگ کو ۴۳۴ نشستوں کے ساتھ شاندار فتح حاصل ہوئی جو نہ صرف قائداعظم کی حقیقت پسندانہ سیاست کی عکاسی کرتی ہے بلکہ

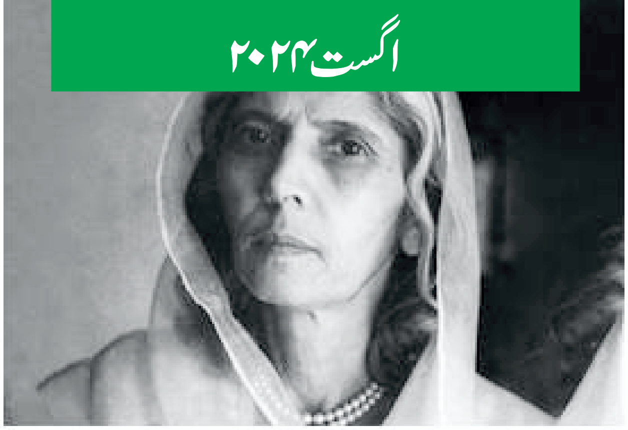

انہی انتخابی نتائج کی وجہ سے انگریزوں سمیت ہندوؤں کو بھی مطالبہ پاکستان تنگ دلی کے ساتھ تسلیم کرنا پڑا۔تحریک پاکستان میں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی رہنے والی برصغیر پاک و ہند کی باہمت نمایاں خواتین رہنماؤں کا ذکر نہ کرنا بھی ناانصافی ہوگی۔خواتین کی سچی لگن اور محنت و جنوں سے ہی تو تحریک پاکستان کا پیغام ہر گھر تک پہنچا۔ان لازوال کرداروں میں سرفہرست ''بی اماں'' تھیں ان کے بعد بیگم مولانا محمد علی جوہر، بیگم شائستہ اکرام اللہ، بیگم رعنا لیاقت علی خان، خدیجہ فیروزالدین، انوری بیگم، امیر النساء، سیدہ سردار اختر حیدر آبادی، صغریٰ بیگم، لیڈی غلام حسین ہدایت اللہ، فیروز بانو، نصرت خانم اور مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے بغیر یہ آزادی کی تحریک نامکمل ہے۔ یہ تمام خواتین علم کی دولت سے آراستہ تھیں اور سیاست میں ایک اہم مقام رکھتی تھیں۔ یہ تعلیم ہی کا اثر تھا کہ انہوں نے اپنی تقاریر اور خطابت سے طالبات کو اس آزادی کی تحریک میں جوق در جوق شامل کیا اور اسی علم کے سمندر نے پورے برصغیر بلکہ سرزمین انگلستان کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ مسلمان واقعی ایک قوم بن چکی ہے، انہیں اب کوئی بھی طاقت آزادی حاصل کرنے سے نہیں روک سکتی۔

آزادی کی صبح ہمیں ہمارے آباؤ اجداد کی عظیم قربانیوں اور جدو جہد کی یاد دلاتی ہے۔کس طرح ایک نظریئے میں پروئی ایک آبادی ایک قوم میں تبدیل ہوئی، کس طرح ایک دیوانے کے خواب کو خوبصورت اور سچی تعبیر نصیب ہوئی۔اگر قیادت مخلص ہو اور عوامی سطح پر شعور عام کیا جائے تو پھر کوئی بھی منزل مشکل نہیں رہتی۔ پاکستانیوں کے دل میں تعمیر وطن کی لگن تھی جس کا واضح ثبوت، آزادی کے چند سالوں بعد پاکستان ایشیا کا تیزی سے ترقی کے منازل تہہ کرنے والا پہلا ملک بن گیا۔ہمیں یوم آزادی پر اللہ تعالیٰ کا شکر، آباؤ اجداد کی محنت کو خراج تحسین اور آئندہ روشن کل کیلئے تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا عہد نبھانا ہے۔اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ہر نعمت سے نواز رکھا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی طاقت کو پہچانیں، اسلامی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جذبہ ایثار، برداشت اور تحمل کو فروغ دیں۔اپنے قومی اہداف کا تعین کریں اور پھر سچے دل سے ان اہداف کے حصول کیلئے تن من دھن کی بازی لگا دیں۔ ہر پاکستانی کو قائدؒ کے پاکستان کو دنیا میں ممتاز مقام دلانے کا عہد کرنا ہوگا۔ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں، ہماری نیت، ارادے اور انتخاب ہی ہماری تقدیر ہیں۔آئیں! اس مملکت خداداد کے ساتھ رشتہ عشق کو نبھاتے ہوئے، اقبالؒ و قائدؒ کے ویژن کے مطابق ترقی یافتہ ،خوشحال اور مستحکم پاکستان کی تعمیر کیلئے اپنا آج اور کل وقف کر دیں۔گھر کی خاطر سو دکھ جھیلیں، گھر تو آخر اپنا ہے۔